17-2018-19

Aliya

S.V.C.S Gvernment Degree Colleg palamaner

topic

Dilli ka Dabistan-e-Shairi

Scanned with OKEN Scanner

شاہ نصیر دہلوی :-

نصیر الدین نام تھا اور نصیر تخلص لیکن شاہ نصیر کے نام سے مشہور ہوئے ۔ سیاہ فام آدمی تھے اس لئے اکثر لوگ میاں کلو کے نام سے پکارتے تھے ان کے والد شاہ غریب خاص دہلی کے مشہور فقیر اولیاء تھے خاندان میں عرصہ دراز سے پیری مریدی چلی آ رہی تھی شاہ نصیر اکلوتے بیٹے تھے بڑے ناز و نعم سے پرورش ہوئی ۔ غربت کے باوجود والد نے بہترین تعلیم و تربیت کا انتظام کیا تھا ۔ لیکن اتفاق سے تعلیم مکمل نہ کر سکے شاعری میں شاہ محمدی مائل سے تلمذ تھا شاہ عالم کے زمانے میں ان کی شاعری کی دھوم تھی انہیں بھی دربار سے بڑی عقیدت تھی چنانچہ جب انگریزوں کی عملداری ہو گئی تھی ۔ دربار چھوڑ کر لکھنؤ اور حیدرآباد کا سفر کیا ۔ دہلی سے بڑی محبت تھی کئی مرتبہ دہلی گئے ۔

شاعری کی خصوصیت :-

شاہ نصیر کی اہمیت اس لئے قابل قدر ہے کہ جب وہ حیدرآباد پہنچے تو وہاں شعر و شاعری کے چرچے عام پڑ چکے تھے شاہ نصیر نے بھی وہیں وہی فرائض انجام دئے جو ولی اورنگ آبادی نے دلی میں انجام دئیے تھے دبستان حیدرآباد میں ان کی وجہ سے شمع سخن پھر ایک مرتبہ روشن ہوئی اور سینکڑوں شعراء ان کے شاگرد ہوئے

اس طرح انہوں نے ولی اورنگ آبادی کا فرض جو کہ ان کا فرض یعنی انجام
دیا اور حیدرآباد ہی میں 1840ء میں انتقال کیا اور یہیں دفن ہوئے۔
ان کا کلام کمیاب ہے بڑے سے بڑے بزرگ شاعر تھے لیکن
کلام حفاظت سے نہ رکھ سکے کہا جاتا ہے کہ ان کی تمام تر غزلیں مہاراج
سنگھ نے جو ان کے شاگرد تھے اکٹھا کیں جو تقریباً ایک لاکھ اشعار پر
مشتمل تھیں۔ یہ بھی مشہور ہے کہ میر عبدالرحمن نے ان کے کلام یکجا کیا
تھا جو بعد میں نواب رامپور نے خرید لیا تھا لیکن آج وہ دستیاب نہیں
کہیں کہیں کچھ کلام مل جاتا ہے ظرافت کی چاشنی اور تشبیہات کی حلا
وتیزی ان کے کلام کی جان ہے سنگلاخ زمینوں میں بھی زورِ کلام
برقرار ہے شاہ نصیر ہوبہو گوئی میں بڑا ملکہ تھا۔ بڑے بڑے مشاعرہ غزلیں
کہتے اور برجستہ اصلاح دیتے تھے رعایت لفظی اور محاورہ بندی میں
بڑی مہارت تھی انہیں ذوق جیسے شاگرد کے استاد ہونے کا شرف
حاصل ہے جس سے ان کی عظمت کا اندازہ ہوتا ہے۔

شیخ ابراہیم ذوق :-

شیخ ابراہیم نام اور ذوق تخلص تھا 1767ء میں دلی
میں پیدا ہوئے والد کا نام شیخ رمضان تھا جو ایک غریب سپاہی تھے۔
جب ذرا ہوش سنبھالا تو ان کے والد نے حافظ غلام رسول کے پاس پڑھنے
بٹھا دیا انہیں کی صحبت میں شاعری کا شوق پیدا ہوا۔ ابتداء میں شاہ نصیر
سے تلمذ تھا۔ رفتہ رفتہ مشق سخن نے ذوق کو استاد بنا دیا۔ یہاں تک
کہ ولی عہد سلطنت بھی ذوق سے اصلاح لینے لگے خان بہادر اور خاقانی
ہند کا خطاب شاہ دہلی سے عطا ہوا۔ اس زمانہ میں ساری دلی میں ذوق
کا طوطی بول رہا تھا مگر ذوق خود نہایت سادہ مزاج اور مجذوب و دنیا منش سے
ایک رتبے والوں میں تھے ایک معمولی مکان میں زندگی بسر کر دی شعر و شا
عری اور عبادت ریاضت کے سوا کوئی دوسرا مشغلہ نہ تھا۔ کئی ہزار اشعار
کہے لیکن غدر کے زمانے میں بہت سا کلام تلف ہو گیا مولانا محمد
حسین آزاد اور غلام حسین ویران کی کوشش سے کچھ کلام ضائع ہونے سے
بچ گیا جو آج کل رائج ہے ان کے شاگردوں میں مرزا خان داغ دہلوی
بہادر شاہ ظفر مولانا محمد حسین آزاد مشہور ہیں غدر سے تین سال
قبل 1864ء میں وفات پائی مرنے سے چند گھنٹے قبل یہ شعر کہے۔

کہتے ہیں آج ذوق جہاں سے گزر گیا
کیا خوب آدمی تھا خدا مغفرت کرے

شاعری کی خصوصیت :-

شعر گوئی میں بھی ذوق اپنے زمانے کے استاد کامل تھے
غزل گوئی اور قصیدہ نگاری میں ان کا مرتبہ انتہائی بلند ہے ان کا کلام صفائی سادگی اور برجستگی اور روانی سے شعر ادا کرتے تھے تصنع اور تکلف سے انہیں دور کا بھی نہیں جو بات کہتے ہیں وہ نوک سے کہتے ہیں کلام میں اخلاقی مضامین کی کثرت ہے اکثر صوفیانہ خیالات بھی نظم کرتے ہیں۔

ذوق غزل کے علاوہ قصیدہ کے بھی مرد میدان ہیں
سودا کے بعد قصیدہ نگاری میں انہیں کا درجہ ہے شکوہ الفاظ تخیل کی رنگینی اور بلندی مضامین ان کے قصائد کی خاص چیز ہیں انہوں نے اردو قصائد میں اپنی قابلیت سمجھ پر خوب دکھائی ہیں قصیدے کی تشبیب میں ذوق کی کاوش قابل داد ہیں گریز اور مدح میں بھی وہ کسی سے پیچھے نہیں غرض ذوق قصیدہ نگاری کے بادشاہ ہیں سودا کے بعد انہوں نے اس صنف کو بام عروج پر پہنچا دیا - اردو قصیدہ نگاری کی کوئی تاریخ ذوق کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتی -

مرزا اسد اللہ خان غالب :-

اسد اللہ خان نام مرزا نوشہ لقب تھا نجم الدولہ دبیر الملک نظام جنگ شاہی خطاب تھا - 797 ء میں آگرہ میں پیدا ہوئے خاندانی سلسلہ اور اسباب بادشاہ توران تک پہنچتا تھا جس پر مرزا کو بڑا ناز تھا

مرزا غالب نہ صرف اردو فارسی کے بڑے شاعر تھے بلکہ ان کا شمار عالمی ادب کے ساتھ ہوتا ہے ان کا کلام ترجمہ ہو کر روس انگلستان فرانس اور دنیا کے دوسرے ممالک میں مقبول ہو چکا ہے ہندوستان کی تقریباً زبانوں میں ان کا کلام ترجمہ چھپ چکا ہے اور ان کی شہرت بقول شخصے چار دانگ عالم میں پھیل چکی ہے ہندوستان اور اردو ان کی شخصیت پر جتنا بھی فخر کرے کم ہے مرزا غالب عادات و اطوار کے لحاظ سے نہایت کھرے انسان اور پرانی وضع کے شخص تھے ان کے احباب کا حلقہ بہت وسیع تھا جس میں ہر مسلک اور ہر مذہب کے لوگ شامل تھے کئی انگریز بھی غالب کے معتقد تھے مرزا اپنے مسلک اور مذہب کے اعتبار سے صوفی صافی تھے مذہبی تعصب نام کو نہ تھا ان کے دوستوں اور شاگردوں میں ہندو مسلمان انگریز شیعہ سنی سبھی تھے اور وہ سب سے ہمدردی اور مروت سے پیش آتے تھے - رئیس بن کا معیار امرا کی طرح تھا -

مولانا حالی نے ان کو حیوان ظریف کہا ہے اور اس میں شک نہیں کہ ظرافت اور مزاح کا عنصر ان کے مزاج میں بہت تھا عام روش پر چلنا اپنی شان کے خلاف سمجھتے تھے ہر معاملے میں یہاں تک کہ

اور وضع قطع میں بھی اپنی ایک الگ انفرادیت رکھتے تھے غالب کو فارسی سے ادبی مناسبت تھی اس زبان سے تمام عمر غیر معمولی دلچسپی رہی اس میں شک نہیں کہ ہندوستان میں فارسی شعرا میں ان کا مقام بہت بلند ہے زمانے نے قبولیت عام کی سند ان کی اردو شاعری کو دی ان کا اردو غزلوں کا دیوان جس میں کل اٹھارہ سو شعر ہیں آج ساری دنیا سے خراج تحسین و عقیدت لے رہا ہے ـ

شاعری کی خصوصیات:-

مرزا غالب کے کلام کی سب سے نمایاں خصوصیت ان کی لطیف ظرافت اور شگفتہ مزاجی ہے جس سے وہ حالات اور واقعات کی تلخی کو ختم تو نہیں کرتے مگر کم ضرور کر دیتے ہیں جیسے

جیسے:-

ان کے دیکھے سے جو آ جاتی ہے منہ پر رونق
وہ سمجھتے ہیں کہ بیمار کا حال اچھا ہے
ہم کو معلوم ہے جنت کی حقیقت لیکن
دل کے بہلانے کو غالب یہ خیال اچھا ہے

مرزا کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ وہ بات کو ایک اچھا انداز میں کہتے ہیں معمولی سا مضمون بھی شعر میں ایسے انداز سے باندھتے ہیں کہ اس میں ایک تب و تاب اور انوکھا انداز پیدا ہو جاتا ہے ان کے کلام کی تیسری خصوصیت یہ ہے کہ وہ ہمارے آپ کی زندگی کی کیفیات اور احساسات کو اور انسانی زندگی میں روزمرہ پیش آنے والے واقعات کو

اور انسان زندگی میں روزمرہ پیش آنے والے واقعات کو اس طرح شعر کے سانچے میں ڈھال دیئے کہ ہر شخص میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل روزمرہ میں ہے کہ عالم میں اسیر ہو جاتا ہے غالب کے کلام کی چوتھی خصوصیت یہ ہے کہ فکر کی گہرائی اور حکیمانہ و فلسفیانہ انداز بیان میں وہ حیات اور کائنات کے اسرار و رموز کو سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں غالب کا تفکر اور فلسفہ ہیں دراصل ان کی عظمت کا راز ہے ان سے پہلے فکر کی گہرائی اور حیات و کائنات کی فلسفہ توجیہ کرنے کا ملکہ شاذ و نادر ہی کسی نے پایا ہے

آرائش جمال سے فارغ نہیں ہنوز
پیش نظر ہے آئینہ دائم نقاب میں

اس شعر کا ظاہری مطلب یہ ہے کہ محبوب نقاب کے اندر بھی بناؤ سنگار میں مصروف ہے یہ کام ابھی بھی تشنۂ تکمیل ہے لیکن دوسرا بلیغ مطلب یہ ہے کہ کائنات کی آرائش و زیبائش کا کام ہنوز ختم نہیں ہوا خالق کائنات اب تک اس کام میں مصروف ہے حقیقت یہ ہے کہ غالب کا مختصر اردو دیوان ایک گلستان ہزار رنگ ہے جس میں ہر پھول کی رنگت جداگانہ اور ہر برگ کا انداز منفرد ہے سلاست و صلابت کا جیسا امتزاج غالب کے یہاں ہے ویسا اقبال کے علاوہ کہیں اور شاذ و نادر ہی ملتا ہے غالب کی شاعری کو سمجھنے کے ناقدوں نے تین ادوار میں تقسیم کیا ہے پہلا دور ان کی ابتدائی دور ہے.

کا یہ جوہر میں انہوں نے مرزا بیدل کی طرز کو اپنایا تھا۔ یہاں فارسیت کا غلبہ ہے۔ زیادہ ہے دوسرے دور میں فارسیت کا غلبہ کم ہوگیا ہے زبان زیادہ صاف اور معنی آفرین ہیں انہوں نے موجودگی آخری اور بہترین دور میں کلام کی خوبیاں اور زیادہ ابھر گئی ہیں۔ بعض غزلیں سہل ممتنع کا کامل نمونہ ہیں۔

غزل گوئی کے علاوہ غالب کا درجہ قصیدہ نگاری میں بھی بہت بلند ہے ان کے قصائد بھی ندرت فکر کے لحاظ سے بہت ممتاز ہیں شکوہ الفاظ جوش تخیل معنی آفرین ندرت فکر ان کے قصائد کی اہم خصوصیات ہیں غالب کی شخصیت ہمہ جہت تھی شاعری کے علاوہ انہیں نثر پر بھی کامل عبور حاصل تھا ان کے خطوط بہترین نثر کے شاہکار ہیں خطوط کے ذریعہ انہوں نے اردو نثر کو فطری دلکشی عطا کی اور مقفیٰ مسجع جملوں سے آزاد کیا بہرحال بقول غالب۔

کہتے ہیں کہ غالب کا ہے انداز بیاں اور

نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ :-

نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ 1806ء میں دلی میں پیدا ہوئے۔ نواب مرتضیٰ خاں کے فرزند تھے۔ شیفتہ کی تعلیم و تربیت اعلیٰ پیمانہ پر ہوئی تھی عربی فارسی میں بڑا کمال حاصل تھا اردو کے علاوہ فارسی میں بھی شعر کہتے تھے اردو میں شیفتہ تخلص کیا ان کی وفات کے بعد غالب سے اصلاح لینے لگے لیکن یہ صرف نام کے تھے ورنہ انھیں اصلاح کی ضرورت نہ تھی غالب خود ان کی سخن اور شعر فہمی کے معترف تھے جس کا اظہار انھوں نے اپنے اشعار میں کیا ہے زمانہ دلی میں علم و فضل اور شعر و سخن کا سنہری زمانہ تھا۔ بڑے بڑے کمال جیسے مفتی صدرالدین آزردہ مولوی امام بخش صہبائی مولوی فضل حق خیرآبادی غالب، ذوق، مومن، شاہ نصیر حکیم آغا جان عیش دلی میں موجود تھے جن کی وجہ سے شعر و سخن کی محفلیں گرم رہتی تھیں ہر شخص اپنے فن میں باکمال تھا۔

شاعری کی خصوصیت :-

شیفتہ بہ حیثیت غزل گو اچھے اور خوش فکر شعراء میں شمار کیے جاتے ہیں۔ ان کا کلام زبان کی صفائی اعلیٰ اخلاق اور تصوف کے لیے مشہور ہے ان کی زبان بامحاورہ اور صاف میں پاکیزہ ہیں شیفتہ کے کلام میں کوئی خاص انفرادیت نہیں نہ ہی وہ غالب مومن اور ذوق کی طرح صاحب طرز تھے صف دوم کے شعراء میں انھیں ایک ممتاز مقام حاصل ہے۔ شیفتہ کی شہرت زیادہ تر ان کی نثری تصنیف

تذکرہ گلشن بے خار کی وجہ سے ہے اس میں انھوں نے شعرا کے حالات اور ان کے کلام پر فارسی میں تبصرہ کیا ہے جو اپنی بے لاگ تنقید اور بے مثل سخن فہمی کی وجہ سے بہت مشہور ہوئی گلشن بے خار کی رائے اپنی جگہ اتنی مستحکم ہے اس کوئی نقاد صرف نظر نہیں کر سکتا۔

سفر حج سے بعد شیفتہ نے شعر و سخن کی طرف بہت کم توجہ دی اور زیادہ تر عبادت اور ریاضت میں زندگی بسر کی ایک فارسی اور ایک اردو دیوان ان کی یادگار ہے 1869ء میں انتقال ہوا۔

امیر مینائی :-

امیر احمد نام اور امیر تخلص تھا مولوی کرم محمد لکھنوی
کے بیٹے تھے 1828ء میں لکھنؤ میں پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم علمائے فرنگی
محل سے حاصل کی حضرت مخدوم شاہ مینا سے خاندانی تعلق کی بناء
پر امیر مینائی کہلائے عربی فارسی میں مہارت حاصل تھی اس کے علاوہ
طب نجوم جفر سے بھی اچھی واقفیت تھی بچپن ہی سے شعر گوئی کی
طرف مائل تھے مشق مظفر علی اسیر لکھنوی کے شاگرد تھے اس زمانے
میں لکھنؤ میں ایک طرف آتش و ناسخ کے معرکے جاری تھے تو دوسری
طرف انیس و دبیر کے ہر طرف شعر و شاعری کے چرچے ایسی مشق بہم
دنیا کی لکھنؤ کی شہرت کے چرچے ہونے لگے کتابوں کی تصنیف کیا فرما
مشق کی - جس کی تکمیل پر خلعت اور انعام سے سرفراز ہوئے 1857
کے بعد جب سلطنت اودھ کو زوال آیا تو امیر کو نواب رام پور نے بلا لیا
مستقل 43 سال تک رام پور میں رہے اس زمانے میں ان کی شہرت عروج
پر پہنچ گئی تھی نواب رام پور خود ان کے شاگرد ہوئے اور معمول مشاہرہ
مقرر کیا آخری عمر میں نظام حیدر آباد کے مطالبے پر حیدر آباد گئے 1900ء
میں حیدر آباد میں انتقال ہوا۔

شاعری کی خصوصیت :-

امیر مینائی بڑے عالم و فاضل آدمی تھے بزرگی
اخلاق سادہ اور زہد و تقویٰ کی بڑی شہرت تھی حضرت مخدوم شاہ

مینا سلسلہ سے ہونے کی وجہ ان کی بڑی عزت کی جاتی تھی نہایت قادر
الکلام شاعر تھے ان کی کئی دیوان مرتبہ ہوئے نعت گوئی میں امیر کو بڑا
ملکہ حاصل تھا غزل کے علاوہ مثنوی قصیدہ رباعیات واسوخت وغیرہ
بھی ان کے دیوان میں موجود ہے ان کی شاعری میں صفائی سلاست
اعلیٰ تخیل اور دلکش عاشقانہ ترکیبوں کی کثرت ہے صحت زبان اور
روزمرہ کو کہیں ہاتھ سے جانے نہیں دیتے امیر مینائی کا کلام لکھنؤ کی
ٹکسالی زبان کا بہترین نمونہ ہے تصوف کا رنگ بھی ان کے کلام میں
موجود ہے۔

امیر مینائی کا ایک بڑا کارنامہ امیر اللغات
کی تدوین ہے۔ یہ اردو کی نہایت عمدہ اور مبسوط لغت ہے لیکن نامکمل
رہ گئی اگر مکمل ہو جاتی تو اردو زبان کی ایک نادر چیز ہوتی۔

نواب مرزا خان داغ دہلوی :-

نواب مرزا خان نام تھا اور داغ تخلص۔ نواب
شمس الدین خان والئی فیروز پور جھرکہ کے بیٹے تھے 1831ء میں دلی
میں پیدا ہوئے آٹھ سال کی عمر میں باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا ان کی والدہ
نے مرزا فخرو ولی عہد سلطنت سے عقد ثانی کر لیا تھا چنانچہ ان کی تربیت
لال قلعہ میں ہوئی اور ذوق جیسے استاد ملے۔ طبیعت میں شعر و سخن
سے فطری مناسبت تھی چنانچہ کچھ دنوں کی مشق اور استاد ذوق کی
تربیت نے جلد ہی پختہ کچھ دنوں کی مشق اور استاد ذوق کی تربیت نے
جلدی پختہ کار شاعر بنا دیا ان کو بندوق، شہ سواری اور تیغ زنی کا بے
حد شوق تھا۔

1857ء کے غدر میں کافی پریشان رہے کچھ سکون ہوا تو مع اہل
خانہ رامپور چلے گئے یہاں داغ کی بڑی قدر و منزلت ہوئی کلب علی
خان ولی عہد سلطنت کے مصاحب خاص مقرر ہوئے ان کی زندگی میں
داغ رامپور چھوڑ کر نہیں گئے۔ انتقال کے بعد حیدرآباد چلے گئے نظام
حیدرآباد دکن کے کلام سے بے حد متاثر ہوئے اور اپنا استاد مقرر کیا ناظم
یار جنگ، دبیر الدولہ، فصیح الملک کے خطابات سے سرفراز ہوئے حیدرآباد
میں آتشی بلکہ ہزاروں شاگرد ہوئے اصلاح سخن کے لئے انہیں باضابطہ
ایک دفتر کھولنا پڑا۔

شاعری کی خصوصیت:

داغ نے تین دیوان گلزار داغ ، آفتاب داغ اور ماہتاب داغ یادگار چھوڑے اس کے علاوہ مثنوی فریاد داغ چند قصائد اور رباعیات بھی موجود ہیں - داغ کے کلام کی سب سے بڑی خصوصیت صفائی زبان اور روانی ہے فصاحت شوخی بانکپن ان کی خوبی شاعری میں بدرجہ اتم موجود ہے ثقیل الفاظ و فارسی ترکیبوں سے انہوں نے بڑی حد تک گریز کیا - پیچ در پیچ اور بعید از کار خیالات ان کی شاعری میں نہیں پائے جاتے محاورات نظم کرنے کا ان کو بے حد شوق تھا- محاوروں کے برمحل اور برجستہ استعمال کرنے کا جو فن داغ کے پاس نظر آتا ہے شاید ہی کسی اور شاعر کے پاس ملتا ہو داغ زبان اور محاورات عشق کے بیان کے شاعر مانے جاتے ہیں اور اس میں ان کا کوئی ثانی نہیں -

مومن خان مومن :-

محمد مومن خان نام تھا اور مومن تخلص کرتے تھے حکیم غلام نبی خان عرف حکیم نامدار خان کے بیٹے تھے 1800ء میں دلی میں پیدا ہوئے خاندانی پیشہ طبابت تھا۔ ابتدائی تعلیم شاہ عبد القادر سے حاصل کی عربی و فارسی میں ان کو مہارت حاصل تھی علم نجوم و رمل میں بے پناہ مہارت حاصل تھی علم نجوم ابتدائی میں شاہ نصیر سے اصلاح لیتے تھے مومن کو اپنی ہمہ دانی اور قابلیت کا خود بھی احساس تھا اپنی بلاغت اور فصاحت کے آگے حافظ و سعدی کو بھی خاطر میں نہ لاتے تھے۔

فارسی بھی خوب جانتے تھے ان کا فارسی کلام بھی اعلیٰ درجہ کا ہے بڑے وجیہہ زیبا اور خوش پوشاک تھے تہذیب متانت اور نفاست کا بڑا خیال رکھتے تھے عمر بھر کبھی کسی رئیس یا نواب کی خوشامد نہیں کی نہ کسی کی شان میں کوئی قصیدہ کہا جس کی وجہ سے اہل علم حضرات سے بیر ایا نہ تھا عہد شباب میں عمر کے ساتھ یہ ختم ہوگئی اور صوم و صلوٰۃ کے بڑے پابند ہوگئے تھے اردو کا ایک دیوان یادگار چھوڑا ہے 52 سال کی عمر میں کوٹھے سے گر کے پانچ مہینے بیمار رہ کر 1852ء میں انتقال ہوا۔

شاعری کی خصوصیت:

غزل گوئی میں مومن کا مرتبہ بہت بلند ہے اگرچہ کہ فصاحت بلاغت میں ذوق تک نہیں پہنچتے لیکن فکر کی گہرائی اور تخیل کی بلندی میں غالب سے ٹکر لیتے ہیں نازک خیال مضمون آفرینی اور عشق و محبت کے جذبات کی لطیف عکاسی سے مومن بہت مشہور ہیں زبان میں فارسیت کا غلبہ ہے اور انداز بیان میں ایک خاص قسم کی پیچیدگی ہے جسے ہم شاعرانہ سے تعبیر کیا گیا یعنی کوئی ایسی بات کہہ جاتے ہیں کہ جس سے بظاہر محبوب کا فائدہ نظر آتا ہے لیکن دراصل اس میں خود عاشق کا فائدہ ہو جاتا ہے۔

جیسے:- غیروں پہ کھل نہ جائے کہیں راز دیکھنا
میری طرف بھی غمزۂ غماز دیکھنا

ان کی غزلوں میں تعشق کا عنصر غالب ہے انھوں نے اپنے فن کے اظہار سے صرف حسن و عشق کا ایک گوشہ مخصوص کر دیا تھا مومن کا دل عشق کی لذت سے خوب واقف تھا عشق کی نفسیات اور دل کے جذبات کی حسین جاندار اور سچی عکاسی مومن بیان ہے وہ اپنی مثال آپ ہے اثر آفرین اور جذبات کی صداقت زیادہ ہے۔

مومن کو چھوٹی بحروں سے خاص شغف تھا ان میں بڑی نفاست اور لطافت سے کام لیتے ہیں مومن کا یادگار ایک دیوان اور چھ مثنویاں ہیں اصناف شاعری میں قصیدہ رباعی

واسوخت غزل ترکیب بند ترجیع بند اور مثنوی سبھی میں طبع آزمائی
کی لیکن انھیں شہرت صرف غزل کی وجہ سے ہوئی خوبی سے بڑے اچھے کہے
ہیں جو سب کے سب مذہبی پیشواؤں کی شان میں ہیں تاریخ گوئی
میں انھیں کمال حاصل تھا بات میں تاریخ کہتے تھے مثنوی نگاری
حیثیت سے انھیں کوئی خاص شہرت نہ مل سکی ان کی مثنویاں ان کی حیات
کی یادگار ہیں ان کی واسوخت بھی عاشق مزاجی کے ایک رخ
کو واضح کرتے ہیں غرض مومن کا طرز اپنی نازک خیالی اور معنی
آفرینی سے آج بھی مشہور ہے اور اہل نظر ان کے اشعار پر آج
سر دھنتے ہیں ـ

Scanned with OKEN Scanner